اسلام میں آغاز جہاد اور اسکا پس منظر

عماد العلماء علامہ ڈاکٹر سید علی محمد نقوی صاحب مدظلہ

جنگ ایک ایسا لفظ ہے جسے سنتے ہی انسان لرز جاتا ہے جنگ ایک ایسی بھٹی ہے جو ہمیشہ نوجوانوں کے گرم خون سے اپنی پیاس بجھاتی ہے جو ہمیشہ ان کے حسین وسبک جذبات سے کھیلا کرتی ہے یہ ایک ایسی حسینہ ہے جسکے جسم پر صرف انسانی خون کا لباس کھلتا ہے۔ جو صرف ایک ہلکی سی جنبش چشم سے پورے پورے شہر غارت کر سکتی ہے۔ جو کبھی فرعون کا روپ دھارن کر کے معصوم خون سے اپنی پیاس بجھاتی ہے، کبھی یزید کا بھیس بنا کر حسینیت کے خون سے ہولی کھیلتی ہے کبھی چنگیز اور ہلاکو بن کر ایشیا و یورپ کو روند ڈالتی ہے۔ کبھی ہٹلر کی شکل میں کروڑوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتی ہے۔ یہ ایسی ایک ایسی ندی ہے جو جب باڑھ پر آتی ہے تو نہ ماؤں کی سلگتی مامتا کا خیال کرتی ہے اور نہ بچوں کی معصوم محبت کا جو اس کی زد میں آتا ہے اسے ڈبوتی چلی جاتی ہے، دنیا کی ہر چیز بزبان بے زبانی جنگ کی تباہ کاریوں کا فسانہ سناتی ہے مگر یہی جنگ کبھی کبھی اتنی پاکیزہ چیز بن جاتی ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی قومیں اس پر ناز کرتی ہیں۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب جنگ عظیم و بلند اصولوں کی حفاظت کی خاطر لڑی جائے جب جبر و استبداد کے سر بہ سما سمان محلوں کے ڈھانے کی خاطر لڑی جائے جب آزادئ خیال کے برقرار رکھنے کے لئے لڑی جائے جب آزادئ تحریر و تقریر کی حفاظت کے لئے لڑی جائے، جب مظلوموں کی آواز استغاثہ پر لبیک کہتے ہوئے لڑی جائے اور جب ظالموں کے مجرمانہ ارادوں کے شیش محلوں کو مسمار کرنے کے لئے لڑی جائے، دنیا کے ہر حقیقت پسند مذہب اور حق گو قوم نے ایسی جنگوں کو سراہا ہے ایسے ہی بلند مقاصد کی خاطر جو جنگیں لڑی جائیں شرع اسلامی میں انہیں جہاد کہتے ہیں۔

پیغمبر اسلام جس دور میں مبعوث بہ رسالت ہوئے وہ عربوں کے لئے انتہائی تاریکی کا دور تھا۔ انکی خون آشامی اور جہالت کا یہ عالم تھا کہ بات بات پر پورے قبیلہ تہس نہس کر دئے جاتے تھے۔ دو قبیلوں کے افراد کے درمیان معمولی جھگڑے سالہا سال اور پشتہا پشت چلا کرتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عرب میں اس وقت انسانی خون سے زیادہ کوئی چیز سستی نہیں تھی۔ اور شمشیر زنی اور نیزہ افگنی سے زیادہ کوئی فن قابل اعتناء نہیں سمجھا جاتا تھا شائد اس وقت عربوں کے سامنے اگر کوئی اصول تھا تو بس یہ کہ ’’جس کی لاٹھی اس کی بھینس‘‘

اس پس منظر میں ہماری کوتاہ عقل تو یہی کہتی ہے کہ جو پیغمبرؐ آتا اس کو انہیں فنون میں مہارت حاصل کرنا چاہئے تھی اور پھر کوئی طاقتور لشکر جمع کر کے اپنے ان ہم وطنوں کو مرعوب کرنا چاہئے تھا اور پھر لاٹھی کے زور پر اپنے مذہب اور اپنے اصولوں کو

تسلیم کروانا چاہئے تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو فرعونیت اور حقانیت میں فرق کیا رہ جاتا۔

اسلام کا مقصد نہ کسی سلطنت کا قیام تھا اور نہ لاٹھی کے زور پر اپنے اصولوں کو منوانا! اسلام کا بانی خوب سمجھتا تھا کہ طاقت کا جادو سر چڑھ کر ضرور بولتا ہے، مگر دل فتح کرنا اس کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لئے پہلے:۔

انسانی ذہن سے جہالت کی تاریکیوں کو دور کرنا ہوگا اور یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جب علم، سورج بن کر ان کے دماغوں میں چمکنے لگے۔ اس لئے اسکی زبان پر پہلا پیغام آیا وہ تھا ''اِقرَأْ'' پڑھو، سمجھو، سیکھو۔ اس نے دوسری منزل معرفت الٰہی کو بنایا کیونکہ اپنے پیدا کرنے والے کو پہچاننے میں عربوں کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ انکی جہالت و تنگ نظری اور ہٹ دھرمی ہی تھی۔ اس نے پیغام دیا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اور اپنے مقصد سے دنیا کو روشناس کروانے کے بعد اس نے اپنے کو متعارف کروایا کہ ''محمد رسول اللہ''۔

ظاہر ہے کہ اس قوم کے لئے جس کا تکیہ بچھونا ہی خونریزی بنی ہوئی ہو، اس شریفانہ پیام میں کہاں تک جذب ہوسکتا ہے جس میں دشنہ وخنجر کا ذکر ہے اور نہ شمشیر وسنان کا۔ ان کی سطحی نظروں میں تو یہ ٹھونسی ہوئی چیزوں کا احساس ہوگا جس سے انکا فطری جوش طبیعت مجروح ہوتا ہوگا۔ لیکن دنیا میں راکھ کے ڈھیر میں بعض چنگاریاں بھی پنہاں ہوتی ہیں ان عرب جاہلوں میں بعض ذہین بھی تھے، ان میں سے بعض نے تو اس پیغام کی روح کو سمجھ لیا اور ابوطالب، علیؑ، زید بن حارثہ یا خدیجہ اور فاطمہ بنت اسد بن کر پیغمبر کی آواز پر لبیک کہی، لیکن کچھ ایسے بھی تھے جو اس تہہ دار پیام کے دوررس اثرات کو بھانپ تو ضرور گئے مگر اسے تسلیم کرنے میں انکو اپنا اقتدار متزلزل نظر آیا کرسی، سرافرازی اپنے نیچے سے سرکتی محسوس ہوئی، اور انہیں اپنے بنائے ہوئے ظلم وستم کے اونچے محل گرتے نظر آئے اس لئے وہ اپنے دماغ کی حقیقت شناسی کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اس پیغام کی ہر طرح سے مخالفت کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اور ابولہب، ابوجہل و ابوسفیان بن کر تاریخ انسانی کے زرین صفحات کو اپنے کرتوتوں سے سیاہ کرڈالا۔ باقی رہے عوام تو وہ تو جہالت کی آہنی زنجیروں میں جکڑے تھے ہی وہ آنکھ بند کر کے تشدد کے انہیں راستوں پر گامزن ہو گئے جو ایک مدت سے انکے جولانگہ حیات بنے ہوئے تھے اور علم و حکمت کے پیغمبر کو ہر طرح سے تکلیف وآزار دینے کے لئے کھڑے ہو گئے۔

اب پیغمبر اسلامؐ کو طرح طرح کے مصائب کا شکار ہونا پڑا رسولؐ جس گلی سے گذرتے قریش کے بچے ان پر پتھر برساتے اور انکی شان میں طرح طرح کی گستاخیاں کرتے لیکن حضرت کیلئے اس جسمانی اذیت سے زیادہ وہ روحانی اذیت تھی جو اس وقت ہوتی ہوگی جب وہ نگاہ تصور سے دیکھتے ہوں گے کہ ان کے اصحاب کو عرب کی چلچلاتی دھوپ میں لٹا کر ان پر گرم تار کول ڈالا جارہا ہے ذہن رکتے رکتے کتاب واقعات کے اوراق

پلٹتا ہوگا۔ اور غریب الوطن حبشی بلال اور صہیب رومی کو پہونچنے والی ایذائیں انکے دل سے لہو ٹپکاتی ہوں گی جنکا ذہن اب جہالت سے بالکل پاک ہو چکا تھا اور جنھوں نے تشدد کے خلاف سینہ سپر ہونے کا عہد کر لیا تھا اور انکی زبان پر اب بھی وہی پیغام تھا جو انکے آقا نے دیا تھا۔ ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ''

کبھی رسول کی تخیل میں عصمت و شرافت کی وہ دیوی جگمگانے لگتی ہوگی جس کا نام زنیرہ تھا۔ جو حالانکہ ایک کنیز تھی مگر روشن دل و دماغ رکھتی تھی، اور کسب نور کی صلاحیت رکھتی تھی اس جرم میں ابو جہل نے اس کی آنکھیں نکلوائی تھیں، کبھی رسولؐ کے سامنے وہ صفحہ آجاتا ہوگا جب حباب ابن الارت کو دہکتے انگاروں پر لٹایا گیا تھا یہاں تک کہ ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی تھی جناب دہکتے انگاروں پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ٹھنڈے ہو گئے۔ مگر وہ ایک دنیا کے دلوں کو گرما گئے ایک جہاں کو درس حق دے گئے۔

یہ ایسی روحانی اذیتیں تھیں جن پر کوئی بڑے سے بڑا اور صابر سے صابر انسان مشتعل ہو سکتا تھا مگر یہ امن و سلامتی کا پیغمبرؐ اور انسانیت کا حقیقی نمائندہ تھا یہیں پر مصائب ختم نہیں ہو گئے بلکہ اس کے بعد رسول اور انکے ساتھیوں کو تین سال شعب ابی طالب میں محصور رکھا گیا تمام ناکوں پر پہرے بٹھا دئے گئے اور اعلان عام کروا دیا گیا کہ پیغمبرؐ تک آب و غذا کا مختصر ترین حصہ بھی نہ پہونچ سکے، بڑے بڑے لشکر ایسے موقعوں پر ہتھیار ڈال دیتے ہیں مگر رسولؐ کے لئے یہ کہاں ممکن تھا کہ وہ ظلم و ستم کے آگے گھٹنے ٹیک دیتے اور کوئی ہوتا تو جاں جاتے دیکھ کر تشدد پر آمادہ ہو جاتا، مارنے مرنے پر تیار ہو جاتا مگر رسولؐ کے سامنے اب بھی انسانیت کے مقدس اصول تھے، وہ اب بھی ڈنکے کی چوٹ پر یہی کہہ رہے تھے کہ:

''لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ''

اگر اس موقع پر رسولؐ جنگ کی ابتدا کر بھی دیتے تب بھی تاریخ آپ کا نام ہمیشہ جذبۂ احترام کے ساتھ لیتی، کیونکہ اس وقت وہ سب وجوہ موجود تھے جن کی وجہ سے ایک جنگ مقدس ہوتی ہے، اہل قریش مسلمانوں کی آزادئ خیال پر پابندیاں لگا رہے تھے، ظلم و استبداد اپنی انتہائی بلندی پر پہونچ چکا تھا، گمراہوں کے غلط ارادے اپنے انتہائی عروج پر تھے، مگر رسولؐ نے اس وجہ جواز سے انسانیت کی خاطر فائدہ نہیں اٹھایا اور اب بھی اپنی بات پر جمے رہے کہ ''الصلح خیر'' صلح و صفائی اچھی چیز ہے ابن آدم کے خون بہانے سے کوئی فائدہ نہیں، انسان عالم وجود کا بہترین فن پارہ ہے۔ اس کے مٹانے سے کوئی مقصد حل نہیں ہو سکتا مگر شاید مشرکین اس کا غلط مفہوم سمجھے انہوں نے اندازہ لگایا کہ شاید پیغمبر اسلام ہماری طاقت سے خوفزدہ ہیں، اس لئے سخت سے سخت مصائب آپ کی ذات پر ڈھانا شروع کر دئے اور بالآخر آپ کے قتل کا منصوبہ بنا لیا۔ اب رسولؐ کو اپنی ذات کے ساتھ انسانیت خطرے میں محسوس ہوئی اس لئے پیغمبرؐ بادل ناخواستہ، اپنے بستر پر اپنے چچازاد بھائی اور اپنے سب سے بڑے جان نثار علی ابن ابی طالبؑ کو

چھوڑ کر رات کی تاریکی میں مشرکین کی چشم شمشیر سے بچ کر مدینے کی طرف ہجرت کر گئے۔

پیغمبرؐ اسلام کی اس پر امن فتح پر، مشرکین بہت چراغ پا ہوئے اور اب وہ مدینے پر حملے کی تیاریاں کرنے لگے دوسری طرف پیغمبرؐ جب مدینے پہونچے تو وہاں نیر اسلام کی بدولت پہلے ہی تاریکیاں چھٹ چکی تھیں پیغمبر کے پیغام کو سب نے خلوص دل کے ساتھ قبول کیا کیونکہ اسمیں انکو اپنا ہی فائدہ نظر آیا۔ پیغمبرؐ نے مدینہ آکر پہلا کام یہ کیا کہ شہر کے دو زبردست قبیلوں اوس وخزرج میں صلح کروا دی یہ ہمیشہ ایک دوسرے سے برسر پیکار رہتے تھے اس طرح یثرب کے اوپر جو خون آشام گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں وہ اس پیغمبر تعمیر و اصلاح کے صدقہ میں چھٹ گئیں اس کے بعد پیغمبرؐ نے اہل یثرب کی خوشحالی کی مہم شروع کر دی مشرکین کی زیادتیوں کی وجہ سے جو لوگ اپنے وطن کو خیر باد کہہ کر مدینہ میں مارے مارے پھر رہے تھے ان کی بحالی کی گئی جو غریب و ناچار مدینے میں موجود تھے جن کو نہ کھانے کے لئے روٹی دستیاب تھی اور نہ بیٹھنے کے لئے کوئی معقول جگہ ان کے لئے ایک چبوترا بنوایا گیا جس پر بیٹھنے والے اصحاب صفہ کہلاتے تھے۔ اور جن کو دونوں وقت کا کھانا سرکار رسالت کے یہاں سے ملتا تھا۔ پیغمبرؐ نے مسلمانوں میں ایک برادری کا تصور قائم کیا۔ اور اسی زمانے میں مواخات کا واقعہ ظہور پذیر ہوا جس میں انصار و مہاجرین کو گلے ملایا گیا مدینے میں اس روز افزوں ترقی سے مدینے کے آس پاس رہنے والے یہودی قبائل خوفزدہ ہوئے۔ اس لئے انہوں نے پیغمبرؐ کی طرف ناجنگ معاہدہ کے لئے ہاتھ بڑھایا اور رسولؐ نے اپنے اسی اصول کی بنا پر کہ جہاں تک ممکن ہو انسانی خون نہ بہنا چاہیے، ان سے معاہدہ کر لیا جس کے رو سے ان کے درمیان طے ہو گیا کہ یہ ایک دوسرے سے کبھی جنگ نہیں کریں گے اور اگر کوئی مسلمانوں پر حملہ آور ہوگا تو یہودی الگ تھلگ رہیں گے اور اگر کوئی ان پر حملہ کرے گا تو مسلمان غیر جانبدار رہیں گے گویا رسولؐ نے اس کے ذریعہ ایک دفاعی معاہدہ کر لیا اگر رسولؐ چاہتے تو یہ شرط بھی رکھ سکتے تھے، کہ اگر ہم کسی پر حملہ کریں تو تم ہمارے ساتھ رہنا، مگر ایسی صورت میں یہ ایک حملہ آورانہ معاہدہ بن جاتا اور اس سے رسولؐ کے مقصد کو ٹھیس پہونچتی۔

پیغمبر اسلامؐ کی یہ ایک سال کی مصروفیتیں، اس انسان کے لئے بڑی اہم ہیں جسے رائے زنی کرنی ہو کہ پیغمبرؐ جنگ کے متعلق کیا نظریات رکھتے تھے۔ اگر پیغمبرؐ جنگ پسند ہوتے تو وہ، ان تعمیری کاموں کے بجائے یہی وقت ساز و سامان جنگ کی تیاریوں میں صرف کرتے، مسجدوں کے بنوانے کے بجائے مضبوط قلعے تعمیر کرواتے، اصحاب صفّہ پر جو کچھ صرف کرتے تھے اسے فوجیوں پر صرف کرتے، اور اس کے بعد کمزور یہودیوں پر حملہ فرما کر اور ان کے قلعوں پر قبضہ کر کے اپنے اثرات میں اضافہ فرما لیتے۔ مگر یہ تاریخ عالم کا بدیہی فیصلہ ہے کہ پیغمبرؐ نے ایسا کچھ نہ کیا، دنیا کی سب

تاریخیں یک زبان ہیں کہ پیغمبرؐ نے نہ فصیلیں تعمیر کروائیں نہ قلعے بنوائے، نہ فوجوں کو بھرتی کیا، نہ اسلحہ خریدے بلکہ اس کے بجائے کنویں کھدوائے، مسجدیں تعمیر کروائیں، مہاجرین کی آبادکاری کی، یہودیوں سے سمجھوتہ کیا اور ایسے ایسے تعمیری کام کئے جن کے لئے برسوں درکار تھے۔ اب ایک حقیقت پسند دماغ کے لئے یہ فیصلہ کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہے کہ رسولؐ جنگ پسند نہ تھے بلکہ رزم آرائیوں کو غلط اور انسانیت کے حق میں مضر خیال کرتے تھے۔ اس لئے انسان پر یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اسی سال کے آخر میں پیغمبرؐ نے جو پہلی جنگ کی وہ ان سے کی گئی، یا انہوں نے کی۔ مگر افسوس ہے کہ اموی دور کے بعض مورخوں نے یہ حکایت وضع کر لی، کہ رسولؐ کی طرف سے اشتعال انگیزی کی گئی تھی اور بدر کی جنگ جو تاریخ اسلامی کا پہلا جہاد ہے، پیغمبرؐ کی وجہ سے ظہور پذیر ہوئی، اور یہ کہ (معاذ اللہ) رسولؐ اپنے ساتھیوں کو لیکر مدینے سے نکلے کہ ابوسفیان کے قافلہ کو لوٹیں اور اس کی اطلاع سالار قافلہ کو ہوگئی جس نے اس کی اطلاع مکہ دیدی جہاں سے ابو جہل کی قیادت میں ایک ہزار کی فوج قافلہ کی حفاظت کے لئے روانہ کی گئی ادھر پیغمبرؐ کی قیادت میں مسلمان قافلہ کو لوٹنے نکلے تھے، مگر قافلہ تو دوسری راہ سے نکل گیا اور ان مسلمانوں کی قریش کے لشکر سے ٹکر ہوگئی۔

اگر تھوڑی بہت عقل سے بھی کوئی شخص کام لے تو اس حکایت کو ہرگز تسلیم نہیں کرسکتا۔

اشتعال انگیزی کا جہاں تک سوال ہے، کوئی بھی صاحب عقل سمجھ سکتا ہے کہ وہ انسان جس نے اپنے قریب رہنے والے کمزور یہودی قبائل کے خلاف کوئی اشتعالی کاروائی نہیں کی وہ دور دراز دیس میں بسنے والے مشرکین کو کیوں مشتعل کرے گا۔ اور پھر طرہ یہ کہ انکی طاقت کو بھی اچھی طرح جانتے ہوئے اور اپنی قوت کا بھی پورا اندازہ رکھتے ہوئے اس سے (معاذ اللہ) ایسی احمقانہ حرکت کی امید کون کرسکتا ہے اور اگر یہ سب کرنا ہی ہوتا تو وہ ایک سال تک مدینے میں یوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے کیوں بیٹھا رہتا۔

جہاں تک اس حکایت کا تعلق ہے کہ رسولؐ نے قافلہ لوٹنے کے لئے مدینہ چھوڑا تھا اور ان کی لاعلمی کے عالم میں فوج سے ٹکر ہوگئی، تو یہ بھی عقلی اور قرآنی دلائل کے رو سے غلط ثابت ہوجاتا ہے۔

میدان تحقیق کے کسی بھی راہی کو اس منزل باطل تک رسائی حاصل کرنے میں جو پہلی خلیج نظر آئے گی وہ یہ کہ کیا یہ ممکن بھی ہے، کہ اتنا بڑا لشکر اتنی جلدی مسلح ہوکر مسلمانوں کے مقابلہ میں پہونچ جائے۔ یہ جس زمانے کی بات ہے اس میں عربوں میں کوئی بادشاہیت قائم نہیں تھی مختلف الخیال قبائل کی حکومت تھی، پھر ظاہر ہے کہ کسی ایسے لشکر کا سوال ہی نہیں جس کو خزانہ شاہی سے تنخواہ ملتی ہو، بلکہ جب کوئی ہنگامی موقع آتا تو خود عرب عوام ہی سپاہی بن کر میدان جنگ میں پہونچ جاتے تھے، اور یہ ظاہر ہے کہ عام لوگوں کے لئے سفر کی

دشواریوں کے ساتھ گھر کو اتنی آسانی سے چھوڑ دینا بھی آسان نہیں تھا، اس لئے انسان ماننے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ عربوں کو ذہنی طور سے اس کے لئے ایک مدت سے تیار کیا جارہا تھا۔ اور ان کو اسلام کے خلاف کاروائی کرنے کے لئے اسلحہ سے ہر طرح لیس کردیا گیا تھا۔

باطل کے موقف تک رسائی حاصل کرنے میں جو دوسری مضبوط رکاوٹ نظر آئے گی وہ قرآن کی وہ آیتیں ہیں جن میں بدعقیدہ مسلمانوں کی قبل وقوع واقعہ دہشت و پریشانی کی تصویر کشی کی گئی ہے اور جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اتفاقی طور پر کسی لشکر سے نہیں ٹکرا گئے تھے بلکہ ان کے رہنما نے پہلے ہی سے اس لشکر کے آنے کی اطلاع دے دی تھی، جو مسلمانوں کو تباہ کرنے کی غرض سے بھیجا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں ان قرآنی آیتوں کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ اسلام کی خوش قسمتی یا بدقسمتی سے یہ الزام انہیں لوگوں کا عائد کردہ ہے جو، قرآن کو خدا کا کلام سمجھتے ہیں بلکہ ''حَسبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ'' کے قائل ہیں۔

قرآن اس منظر کا نقشہ اس طرح کھینچ رہا ہے۔

''مسلمانوں کا ایک گروہ ناگواری محسوس کررہا تھا، اور وہ آپ کے بارے میں جھگڑے کررہے تھے بعد اس کے کہ ان پر وہ (حق) ظاہر ہوچکا تھا معلوم ہوتا ہے کہ وہ موت کی طرف کھینچ کر لے جائے جارہے ہیں جب کہ وہ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، اور جب اللہ نے اطلاع دی تھی کہ دونوں گروہوں (تجارتی قافلہ اور لشکر) میں سے کسی ایک سے تمہاری مڈبھیڑ ہوگی، اور تم آرزومند تھے کہ وہ جو قوت و طاقت نہیں رکھتا تمہارے مقابلہ میں آئے، اور اللہ چاہتا تھا کہ حق کو قائم کرے اور کافروں کا قلعہ قمع کرے۔''

اس بیان سے بہت سے حقائق پر سے پردہ سرکتا ہے اس میں ہے کہ ''جب اللہ نے اطلاع دی کہ دونوں گروہوں میں سے ایک سے تمہاری مڈبھیڑ ہوگی'' یہ اطلاع مسلمانوں کو اس وقت دی گئی جب وہ میدان کے لئے رخت سفر باندھ رہے تھے۔ اس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ پہلے مشرکین کی فوج مکہ سے چل دی پھر اس کے بعد اس فوج کے دفعیہ کے لئے پیغمبرؐ نے اپنے ساتھیوں کو مدینہ چھوڑنے کا حکم دیا۔ ایسا نہیں ہوا کہ رسول قافلہ پر حملہ کرنے نکلے ہوں اور پھر رسولؐ کی زد سے قافلہ کو محفوظ رکھنے کے لئے فوج بھیجی گئی ہو۔ اس بیان میں مسلمانوں کے خوف و اضطراب کی منظر کشی کی گئی ہے اگر واقعی یہ ایک نہتے قافلے کو لوٹنے نکلے ہوتے تو اس اضطراب کی کیا ضرورت تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ در اصل ایک لشکر قاہرہ کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے تھے اور اسی سے سمجھ رہے تھے کہ ہم موت کے منھ میں ڈھکیلے جارہے ہیں۔ اب ان عقلی اور قرآنی ثبوتوں سے یہ بات تو پائے تکمیل تک پہونچ گئی کہ لوٹ مار کی حکایت من گڑھت ہے اور حقیقت سے اسکا دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ در اصل مشرکین نے مدینہ پر چڑھائی کی تھی، تاکہ رسول، ان کے جان نثاروں اور انکے مشن کو خاک میں ملائیں۔ اگر اس کے بعد بھی پیغمبر ہاتھ

پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے تو اس سے نہ صرف دین اسلام تباہ ہو جاتا بلکہ یہ پوری انسانیت کی تباہی کی تمہید بن جاتا اگر مشرکین بغیر کسی رکاوٹ کے مدینے تک آجاتے تو وہ یقیناً شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادیتے اور رسولؐ یہ گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ ایک مہمان کی خاطر، میزبانوں کو، نہ صرف، اپنے جان و مال سے، بلکہ اپنی عزتوں سے بھی ہاتھ دھونا پڑے اس لئے رسولؐ، بادل ناخواستہ، اپنی جماعت کو لیکر، دفاع کے لئے شہر سے نکلے۔ اور اس طرح مذہب اسلام میں پہلا جہاد رونما ہوا۔

اس موقع پر قرآن کی جو آیت جواز جہاد کا پروانہ لیکر اتری وہ بھی بڑی حد تک اس حقیقت کی غمازی کرتی ہے جس کو اس مضمون میں اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

''اجازت دی جاتی ہے (دفاع کی) ان لوگوں کو جن سے جنگ کی جارہی ہے اس بنا پر کہ ان پر مظالم ہوئے ہیں اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر قادر ہے وہ جن کو نکالا گیا ہے ان کے گھروں سے بغیر کسی خطا کے، سوا اس کے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا مالک اللہ ہے''

اس ارشاد الٰہی کا پہلا جز دنیا کے لئے قابل غور ہے اس سے یہ بات روز روشن کی طرح کھل جاتی ہے کہ جنگ بدر تک اسلام نے مسلمانوں کو لڑنے کی اجازت نہیں دی تھی اور اب وہ راز بھی سمجھ میں آجاتا ہے کہ مشرکین سے اتنے عظیم خطرے کے باوجود، پیغمبرؐ نے ایک سال تک دفاع یا بہ الفاظ دیگر جنگ کی تیاری کیوں نہیں کی۔ قدرت کی اس واضح شہادت کے بعد یہ بات بھی پایۂ ثبوت تک پہونچ جاتی ہے کہ اشتعال انگیزی رسولؐ کی طرف سے نہیں ہوئی تھی بلکہ دشمنان اسلام نے ظلم وستم اور زیادتیوں سے کام لیا تھا اور مسلمانوں کو ناحق ان کے گھروں سے نکال دیا تھا۔

اسی آیت کے آخری جز میں خود لسان قدرت نے مسلمانوں کو اذن جہاد دینے کا پس منظر اس طرح بیان کیا ہے۔

''اور اگر نہ ہوتا دفعہ کرنا اللہ کا بعض لوگوں کو بعض کے ذریعے تو گرجے گرادئے جاتے، اور دوسرے مذاہب کی عبادت گاہیں اور مسجدیں، جن میں اللہ کا ذکر بہت ہوتا ہے۔''

گویا مسلمانوں کو جہاد کی اجازت اس لئے دی جارہی تھی کہ ظالموں کی ہمتوں پر اوس پر جائے، ان کے باطل ارادے خاک میں مل جائیں اور ان کا دست طمع اور آگے نہ بڑھ سکے۔

قرآن نے گرجوں، اور دوسرے مذاہب کے معبدوں کا تذکرہ کر کے اس حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا۔ کہ یہ اذن جہاد نہ صرف مسلمانوں کے حق میں ہے بلکہ تمام عالم انسانیت کی بھلائی کی خاطر ہے۔

اس کے بعد تاریخ اسلام کا پہلا جہاد رونما ہوا۔ جب مشرکین چڑھائی کرتے ہوئے یثرب کے قریب چاہ بدر تک آگئے اور مٹھی بھر مسلمانوں نے بڑھ کر، ظاہری اسباب کے تقاضے کے بالکل برخلاف، اس لشکر جرار کے پرخچے اڑا دئے اور نہ صرف ابوجہل کا خاتمہ کیا، بلکہ اس کے ناپاک منصوبے کی پوری عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔